اقبال کی شاعری کے تین دور

افادہ: حضرت مولانا مفتی محمد القدوس خبیب رومی صاحب زید مجدہ

علامہ اقبال مرحوم کی شاعری میں فکر اسلامی بتدریج آئی ہے، ایک وہ دور تھا جس میں اقبالؔ کے ہاں ''حب الوطنی'' سے بڑھ کر ''وطن پرستی'' تک پائی جاتی تھی، اُس زمانے میں ان کا شاعرانہ قلم ''نیا شوالہ'' کے زیر عنوان یہاں تک لکھ گیا:

سچ کہہ دوں اے برہمن ! گر تو برا نہ مانے — تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا — جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا — واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے — خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے
آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں — بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقش دوئی مٹا دیں

اسی زمانے میں ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' کے عنوان سے اقبالؔ نے یہ نظم بھی کہی تھی:

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا — نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا — جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا — سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا — ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے — پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے — میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا ۔۔۔ نوحؑ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا ۔۔۔ جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

اقبالؔ اپنی شاعری کے دوسرے دَور میں اوّل کی بہ نسبت مذہب سے زیادہ قریب آچکے تھے؛ مگر پھر بھی ''حب الوطنی'' کے رائج الوقت تصور سے باہر نہیں نکل سکے تھے؛ اس لیے اُن کے قلم سے ''ہندی ترانہ'' کے عنوان سے ہندوستان کا جو وطنی ترانہ لکھا گیا اس میں اس قسم کے اشعار پائے جاتے ہیں:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ۔۔۔ ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں ۔۔۔ سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمار
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا ۔۔۔ وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں ۔۔۔ گلشن ہے جن کے دَم سے رشک جناں ہمارا
اے آب رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو ۔۔۔ اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ۔۔۔ ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

البتہ ڈاکٹر اقبال اپنی شاعری کے تیسرے اور آخری دَور میں ایک مردِ مومن اور صحیح العقیدہ شاعر بن گئے تھے، جس کا اندازہ اُس دَور کی کہی گئی ان کی نظموں اور اشعار سے ہوتا ہے، مثلاً جو نظم انھوں نے اپنی شاعری کے دوسرے دَور میں ''ہندی ترانہ'' کے عنوان سے کہی تھی، اپنے تیسرے دَور میں ''ملی ترانہ'' نظم کر کے پہلی نظم کی بے اعتدالیوں کی تلافی کی اور کہا:

ملی ترانہ

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا ۔۔۔ مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے ۔۔۔ آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا ۔۔۔ ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں ۔۔۔ خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری ۔۔۔ تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
اے گلستانِ اندلس ! وہ دن ہے یاد تجھ کو — تھا تیری ڈالیوں پر جب آشیاں ہمارا
اے موجِ دجلہ ! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو — اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
اے ارضِ پاک ! تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم — ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میر حجاز اپنا — اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

اقبالؔ کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیماں پھر کارواں ہمارا

لیکن اقبالؔ کے اس ''ملی ترانہ'' پر بھی لسان العصر حضرت اکبرالہ آبادیؒ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا:

کالج میں ہو چکا ہے جب امتحاں ہمارا
سیکھا زباں نے کہنا ''ہندوستاں ہمارا''
رقیبے کو کم سمجھ کر اقبال بول اٹھے
ہندوستان کیسا سارا جہاں ہمارا
لیکن یہ سب غلط ہے کہنا یہی ہے لازم
جو کچھ ہے سب خدا کا وہم وگماں ہمارا

چناں چہ اس کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے اپنے گزشتہ خیالات سے رجوع کرتے ہوئے یہ نظم کہی:

وطنیت یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے

اس دَور میں مے اور ہے، جام اور ہے، جم اَور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اَور — تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نَوی ہے غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی رہ ! بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنت محبوبِ الٰہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اَور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اَور ہی کچھ ہے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
''قومیت اسلام'' کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اب وہ ''قوم پرست'' اور ''محب وطن'' کتنے حقیقت ناشناس اور ناانصاف ہیں جو علامہ اقبال مرحوم کے وہ افکار واشعار ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور فکرونظر کے اعتبار سے اختیار کرتے ہیں جن سے وہ تدریجاً رجوع کر چکے ہیں، جب کہ واضح طور پر وہ افکار واشعار اسلامی تعلیمات کے بھی خلاف ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ''ہجرت'' کے اسلامی حکم کی مصلحتوں میں ''حب الوطنی'' کے حد سے بڑھے ہوئے جذبات کی اصلاح بھی ایک اہم مصلحت ہے، مکہ مکرمہ (زادھا اللہ عزاً و شرفاً) سے بڑھ کر مقدس ومتبرک اور محبوب ومانوس مقام کون سا ہوسکتا ہے؟ مگر (بطور تعلیم) وہاں سے بھی اہل اسلام کو ہجرت کروائی گئی۔

ترتیب وپیشکش:

محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

قوم ووطن

شاعراسلام صاحب اخلاص وحمیت حضرت سید عبدالرب صوفؔی علیہ الرحمہ

انھیں آخر نہ ہوگی دین و دنیا کی خبر کب تک
نہ ہوگا قصہ ان کی غفلتوں کا مختصر کب تک

نہ ہوں گے اُف یہ آوارہ نظر بالغ نظر کب تک
نہ ہوں گے نورِ ایماں سے مسلماں دیدہ ور کب تک

ملے یوسف سے پر سونگھی نہ بوئے پیرہن اب بھی
پڑھا قرآں نہ سمجھے معنیٔ قوم و وطن اب بھی

خدا نے اِنَّ اَرضِی وَاسِعَہ ارشاد فرمایا
خطابِ مُؤ مِنُونَ اِخوَۃٌ سے یاد فرمایا

انھیں کعبہ کے گردا گرد یوں آباد فرمایا
کہ ربطِ اتحادِ مرکزی ایجاد فرمایا

کہیں پھولیں پھلیں ہر باغ ہے قومی چمن ان کا
یہ ساری پود، مسلم قوم ہے دنیا وطن ان کا

وطن سارا جہاں ہے مرکز قوم و وطن کعبہ
کہیں یہ پود پہنچے ہر ذخیرہ کا چمن کعبہ

کہیں آوارۂ تبلیغ ہوں ہے انجمن کعبہ
بنا لیں گھر کہیں بھی ہے مگر بیتِ کہن کعبہ

کہیں بھی جا کے چھا جائے مسلماں قومِ واحد ہے
وطن اس قوم کا سارا جہاں تاریخ شاہد ہے

اگر مکہ میں تنگی ہو حبش بھی ہے وطن اپنا   حبش سے دل اگر اٹھے مدینہ ہے چمن اپنا

کہیں کی خاک کا بندہ نہیں ہرگز بدن اپنا   جہاں چاہیں کریں روشن چراغِ انجمن اپنا

سکون و انقلاب اپنا قرار و اضطراب اپنا

دن اپنا آفتاب اپنا شب اپنی ماہتاب اپنا

اگر سوئے حبش ہجرت کریں وہ بھی مسلماں ہیں   اگر اسپین میں چمکیں تو وہ بھی تیغِ ایماں ہیں

ڈکاریں ہند کے بن میں تو وہ بھی شیر یزداں ہیں   کوئی بھی ہوں کہیں بھی ہوں مسلماں ہیں تو یکساں ہیں

وہ دن بھی تھے کہ پاس اُخرِجَت لِلنّاس تھا ہم کو

جہاں پر حکمراں صوفی تھے جب احساس تھا ہم کو

ناشر

مجلس ترجمان حق آگرہ